جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کا دینی و اصلاحی ترجمان

ماہنامہ

ندائے شاہی

مرادآباد

بانی: حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدی رحمہ اللہ سابق مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد

مرتب: محمد سلمان منصورپوری

- حکام و امراء کی ذمہ داریاں

نظر وفکر

- عافیت اور سکون مانگئے!

درس حدیث

ہندوستان میں رہنے والوں کیلئے

سعودی عرب میں چاند کی رویت

معتبر نہیں!

- افادات سورۂ احقاف

افادات قرآنیہ

- تین طلاق کے متعلق مسائل

کتاب المسائل

- اسلام کا نظامِ زکوٰۃ وصدقات
- نظامِ حکومت اور اسلامی ہدایات

- سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

اولیات صحابہ

- شہادت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

کے متعلق نبوی پیش گوئی

- مدرسہ شاہی میں ردِّ غیر مقلدیت
ورد شیعیت پر علاقائی تربیتی اجتماع

خصوصی رپورٹ

جنوری ۲۰۱۵

قیمت ۲۵ روپے

ہندوستان میں رہنے والوں کیلئے

سعودی عرب میں چاند کی رویت معتبر نہیں!

حضرت مولانا مفتی زین الاسلام صاحب قاسمی الٰہ آبادی مفتی دارالعلوم، دیوبند

امسال یعنی ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰۱۴ء میں گزشتہ سالوں کے برخلاف اتفاق سے ''سعودی عرب'' کی ۱۰/ ذی الحجہ میں ''ہندوستان'' کی ۸/ ذوالحجہ کی تاریخ واقع ہوئی، حالانکہ پچھلے سالوں میں عیدالاضحیٰ کے حوالے سے ''سعودی عرب'' اور ''ہندوستان'' کی تاریخ میں عموماً ایک ہی دن کا فرق ہوتا تھا، اسی وجہ سے ''ہندوستان'' میں بقرعید کے ایام کی تعیین میں بعض لوگوں کو شبہ پیدا ہوگیا، ملک کے مختلف علاقوں سے راقم الحروف کے پاس کثرت سے فون موصول ہوئے کہ امسال بقرعید کس دن ہے؟ کیا ایسا تو نہیں کہ ذوالحجہ کا چاند حقیقت میں ۲۹/ ذوقعدہ میں افق پر موجود ہو؛ لیکن کسی وجہ سے لوگوں کو چاند نظر نہ آیا ہو؟ بعض لوگوں نے تو صرف تشفی اور تحقیق کے لئے رابطہ قائم کیا، جب کہ کچھ علاقوں سے ایسی بھی خبریں موصول ہوئیں کہ وہاں پر غلط قسم کی افواہیں پھیلانے کی کوشش کی جارہی ہے اور بقرعید ہی نہیں؛ بلکہ عیدالفطر اور ماہِ رمضان کی تعیین میں بھی شرعی نقطۂ نظر کے حوالے سے لوگ شک وشبہہ میں پڑ رہے ہیں، چنانچہ ''دہلی'' کے ایک دیندار اعلی عہدیدار نے یہ خبر دی کہ ہمارے یہاں چند غیرملکی افراد نے امسال ''سعودی عرب'' کی تاریخ کا اعتبار کرتے ہوئے ''ہندوستان'' کی تاریخ کے حساب سے ۸ ذوالحجہ کو قربانی کی ہے، انھوں نے یہ بھی بتایا کہ رمضان اور عیدالفطر میں بھی وہ لوگ ''سعودی عرب'' کی تاریخ کا اعتبار کرتے ہیں، موصوف نے اس مسئلے سے متعلق قرآن وحدیث کی روشنی میں شرعی نقطۂ نظر واضح کرنے کی خواہش ظاہر کی، چنانچہ سردست ایک تحریر مرتب کی گئی ہے، جس سے امید ہے کہ ان شاء اللہ رمضان، عید اور بقرعید وغیرہ ایام کی تعیین میں شریعت کا اصل حکم واضح ہوکر سامنے آجائے گا، اللہ سے دعا ہے کہ امتِ مسلمہ کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشے، آمین۔ (مفتی زین الاسلام)

شریعتِ اسلام نے انسانی فطرت کا لحاظ کرتے ہوئے سال میں دو دن خوشی ومسرت کیلئے تجویز کیے ہیں؛ لیکن یہ ایام دنیا کے عام تہواروں کی طرح محض رسمی تہوار نہیں، بلکہ انعاماتِ خداوندی کے شکر گزاری کے ایام ہیں، اسلام نے ان کو عبادت کے ایام قرار دیا ہے، اِن سے متعلق شریعت کی مستقل تعلیمات وہدایات ہیں، اِن ایام کی ابتداء وانتہاء اور ان کو منانے کا طریقہ شریعت کی طرف سے متعین کردیا گیا ہے، یہ اللہ کا کتنا بڑا فضل وانعام ہے کہ اس نے خوشی کے لئے جن ایام کو منتخب فرمایا، اُس کو بھی

ہمارے لیے عبادت بنادیا کہ ایک طرف انسان اپنی فطرت کے مطابق خوشی منائے اور دوسری طرف آخرت کے اجروثواب کو بھی حاصل کرے، اِس سے اسلام کی جامعیت وشمولیت کے ساتھ ساتھ اس کا دینِ فطرت ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

لیکن کوئی بھی عبادت اُس وقت عبادت بنے گی، جب کہ اُس کو اس طریقے پر ادا کیا جائے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحیِ الٰہی کے ذریعے بندوں کے لئے متعین فرمایا ہے۔ احکام واوامر کے جو اصول اور ضابطے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طے فرمائے ہیں، اُن کو تسلیم کرتے ہوئے ان پر عمل کرنا ہی اصل بندگی ہے، عبادات کا مدار عقل انسانی پر نہیں؛ بلکہ وحی الٰہی کے مطابق اِطاعت وفرماں برداری پر ہے، اسی لیے شریعت نے بندے کو اس بات کا مکلّف بھی نہیں بنایا ہے کہ وہ احکامِ خداوندی کو عقلی پیمانے پر جانچنے اور پرکھنے کی کوشش کرے، اِس سے بندگی کی روح پر آنچ آتی ہے، حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی اپنے ہر حکم کی علل وحکمتوں سے واقف ہے، انسان کی ناقص عقل حکمِ الٰہی کی ساری حکمتوں کے ادراک سے قاصر ہے، چنانچہ فرض نمازوں کا پانچ کے عدد میں منحصر ہونا، روزہ کی ابتداء صبح صادق سے اور انتہا غروبِ آفتاب پر ہونا، فرض روزوں کے لیے بارہ مہینوں میں سے رمضان ہی کے مہینے کا متعین ہونا، وغیرہ وغیرہ احکام شرعیہ کے رازوں سے اللہ تعالیٰ ہی کی ذات خوب واقف ہے۔

رمضان، عید اور بقرعید اِسلام میں وہ عبادتیں ہیں جن کی ابتداء اور انتہاء کی تعیین کو شریعتِ اسلام نے چاند سے متعلق کیا ہے؛ لیکن چاند سے متعلق کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس سلسلے میں شریعت کے قوانین وضابطے کیا ہیں؟ اس کو سمجھنا ضروری ہے؛ اس لیے کہ ان احکام کا چاند سے تعلق اُسی وقت معتبر ہوگا جب کہ اس سلسلے میں شریعت کے مسلمہ اصول وضابطوں کو ملحوظ رکھا جائے، اس کے بغیر یہ عبادتیں عبادت کہلانے کی مستحق نہیں ہونگی۔

افسوس کہ آج کل عبادتوں میں انسانی رایوں کی دخل اندازی کثرت سے ہونے لگی، شریعت کا جو حکم بھی انسان کی ناقص عقل کے ناقص معیار پر نہ اتر سکے، اُس مسئلے میں بے جا تاویلات وتشریحات کی بھی جرأت ہونے لگی، ترقی یافتہ شکلوں سے فائدہ اٹھانے کے نام پر اسلام کے مسلمہ اصول وضوابط بھی مجروح کیے جانے لگے۔ الامان والحفیظ۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نئی ایجادات سے فائدہ اٹھانا ناجائز ہے، نہیں، ہرگز نہیں، نئی ایجادات

بھی اللہ کی نعمتیں ہیں، ان سے وحشت و بیزاری نا کوئی دین کا کام ہے، نہ عقل کا، ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے میں شریعت کے حدود و قیود کو سامنے رکھنا ضروری ہے، چنانچہ اُس وقت تک ان سے استفادہ جائز ہوگا جب تک کہ ان کی وجہ سے شریعت پر کوئی آنچ نہ آئے، نئی ایجادات کو شریعت کی روشنی میں پرکھا جائے گا، نہ کہ شریعت کو نئی ایجادات کی روشنی میں۔

بہرحال! چاند سے متعلق احکامِ شرعیہ کے حوالے سے پہلے چند مسلمہ اصول وضابطے اور ان کی مختصر ضروری تشریحات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) شریعتِ اسلام نے جن معاملات کا مدار چاند ہونے پر رکھا ہے، اُس سے مراد چاند کا افق پر موجود ہونا نہیں؛ بلکہ اُس کا قابلِ رویت ہونا اور عام نگاہوں سے دیکھا جانا ہے۔

چاند سے متعلق شریعت کے مسلمہ ضابطوں میں یہ ضابطہ بہت اہمیت کا حامل ہے، اگر اس ضابطہ کو صحیح طور پر سمجھ لیا جائے تو چاند سے متعلق کسی بھی حکم شرعی میں شک وشبہ کی کوئی نوبت ہی نہ آئے، چاند سے متعلق قرآن وحدیث کی روشنی میں اس بات کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند ہونا کس کو قرار دیا اور نہ ہونا کس کو کہا، آیا چاند کا صرف افق پر موجود ہونا شرعی احکام میں کافی تسلیم کیا جائے گا یا عام انسانی آنکھوں سے دیکھنے پر اس کے ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا؟ اس مسئلے میں ارشاداتِ نبوی ملاحظہ فرمائیں!

حدیث کی سب سے بڑی مستند کتاب جو اعتماد میں قرآن کے بعد دوسرا درجہ رکھتی ہے یعنی: صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لاَ تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ وَلاَ تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوْا لَهُ. (بخاری: ۲۵۶/۱)

روزہ اس وقت تک نہ رکھو جب تک چاند نہ دیکھ لو اور عید کے لئے افطار اس وقت تک نہ کرو جب تک چاند نہ دیکھ لو اور اگر چاند تم پر مستور ہو جائے تو حساب لگالو (یعنی حساب سے تیس دن پورے کرلو)

اسی کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

اَلشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ لَيْلَةً، فَلاَ تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ

مہینہ (یقینی) انتیس راتوں کا ہے، اس لئے روزہ اس وقت تک نہ رکھو جب تک (رمضان کا) چاند نہ

فَـاَكْمِلُوْا الْعِدَّةَ ثَلاَثِيْنَ. (صحیح بخاری ۱/۲۵۶) دیکھ لو۔ پھر اگر تم پر چاند مستور ہو جائے تو (شعبان) کی تعداد تیس دن پورے کر کے رمضان سمجھو۔

یہ دونوں حدیثیں حدیث کی دوسری سب مستند کتابوں میں بھی موجود ہیں جن پر کسی محدث نے کلام نہیں کیا۔ اور دونوں میں روزہ رکھنے اور عید کرنے کا مدار چاند کی رویت پر رکھا ہے۔ لفظ ''رویت'' عربی زبان کا مشہور لفظ ہے جس کے معنی: ''کسی چیز کو آنکھوں سے دیکھنے کے ہیں''۔ اس کے سوا اگر کسی دوسرے معنی میں لیا جائے تو حقیقت نہیں مجاز ہے۔ اس لئے حاصل اس ارشادِ نبوی کا یہ ہوا کہ تمام احکامِ شرعیہ جو چاند کے ہونے یا نہ ہونے سے متعلق ہیں ان میں چاند کا ہونا یہ ہے کہ عام آنکھوں سے نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ مدارِ احکام چاند کا افق پر وجود نہیں بلکہ رویت ہے۔ اگر چاند افق پر موجود ہو؛ مگر کسی وجہ سے قابلِ رویت نہ ہو تو احکام شرعیہ میں اس وجود کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

حدیث کے اس مفہوم کو اسی حدیث کے آخری جملہ نے اور زیادہ واضح کر دیا، جس میں یہ ارشاد ہے کہ اگر چاند تم سے مستور اور چھپا ہوا رہے یعنی: تمہاری آنکھیں اس کو نہ دیکھ سکیں تو پھر تم اس کے مکلف نہیں کہ ریاضی کے حسابات سے چاند کے وجود اور پیدائش معلوم کرو اور اس پر عمل کرو۔ یا آلاتِ رصدیہ اور دوربینوں کے ذریعہ اُس کا وجود دیکھو، بلکہ فرمایا:

فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوْا الْعِدَّةَ ثَلاَثِيْنَ. یعنی: اگر چاند تم پر مستور ہو جائے تو تیس دن پورے کر کے مہینہ ختم سمجھو۔

اس میں لفظ ''غـمَّ'' خاص طور سے قابلِ نظر ہے۔ اس لفظ کے لغوی معنی عربی محاورہ کے اعتبار سے بحوالہ ''قاموس وشرح قاموس'' یہ ہیں:

غُمَّ الهلالُ على الناس غمًّا إذا حَالَ دون الهلال غيمٌ رقيق أوغيره فلم يُر. (تاج العروس شرح قاموس) لفظ ''غم الهلال علـى النـاس'' اُس وقت بولا جاتا ہے جبکہ ہلال کے درمیان کوئی بادل یا دوسری چیز حائل ہو جائے اور چاند دیکھا نہ جا سکے۔

جس سے معلوم ہوا کہ چاند کا وجود خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم کر کے یہ حکم دیا ہے؛ کیونکہ مستور ہو جانے کے لیے موجود ہونا لازمی ہے، جو چیز موجود ہی نہیں اس کو معدوم کہا جاتا ہے، محاورات میں اس کو مستور نہیں بولتے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ چاند کے مستور ہو جانے کے مختلف اسباب

ہو سکتے ہیں ان میں سے کوئی بھی سبب پیش آئے۔ بہر حال جب نگاہوں سے مستور ہو گیا اور دیکھا نہ جا سکا تو حکم شرعی یہ ہے کہ روزہ وعید وغیرہ میں اُس کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

(۲) قرآن وحدیث میں یہ بات منصوص اور قطعی ہے کہ کوئی مہینہ انتیس دن سے کم اور تیس دن سے زائد نہیں ہوتا، لہذا جن بلاد میں اتنا فاصلہ ہو کہ ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ معتبر ماننے کے نتیجے میں مہینے کے دن اٹھائیس رہ جائیں یا اکتیس ہو جائیں، وہاں اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا جائے گا اور جہاں اتنا فاصلہ نہ ہو، وہاں اختلافِ مطالع غیر معتبر ہوگا۔

(۳) ہر جگہ کے لیے اُسی جگہ کی رؤیت معتبر ہوگی۔

ترمذی شریف میں امام ترمذی نے مستقل ایک باب قائم کیا ہے **"بابُ ما جاء لکل اھل بلد رؤیتھم"** یعنی: ہر جگہ کے لیے اُسی جگہ کی رؤیت معتبر ہوگی، پوری حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

ابن عباسؓ کی والدہ ام الفضل نے کریب کو (جو حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ تھے) کسی ضرورت سے حضرت معاویہؓ کے پاس ملک شام بھیجا، کریب نے ام الفضل کا کام نمٹایا، ابھی وہ شام ہی میں تھے کہ رمضان کا چاند نظر آیا، چاند جمعہ کی رات میں نظر آیا تھا (اور انہوں نے پہلا روزہ جمعہ کو رکھا تھا) پھر وہ مہینہ کے آخر میں مدینہ آئے ابن عباس نے دریافت کیا تم نے چاند کب دیکھا تھا؟ انہوں نے کہا ہم نے جمعہ کی رات چاند دیکھا تھا، ابن عباسؓ نے پوچھا کیا آپ نے خود جمعہ کی رات میں چاند دیکھا تھا (مسلم کی روایت میں ہے نعم، ہاں خود دیکھا تھا) لوگوں نے بھی دیکھا تھا، پس انہوں نے روزہ رکھا اور امیر معاویہ نے بھی روزہ رکھا، ابن عباسؓ نے فرمایا: مگر ہم نے سنیچر کی رات میں چاند دیکھا ہے، پس ہم برابر روزے رکھتے رہیں گے تا آنکہ ہم تیس دن پورے کریں یا چاند دیکھ لیں، کریب نے پوچھا، کیا آپ کیلئے حضرت امیر معاویہ کا چاند دیکھنا اور ان کا روزہ رکھنا کافی نہیں؟ ابنِ عباس نے فرمایا: نہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ (تحفۃ الالمعی) آگے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: **والعملُ علی ھٰذالحدیث عند أھل العلم انّ لکل أھل بلد رؤیتھم** یعنی: تمام اہلِ علم کا اسی پر عمل ہے کہ ہر جگہ کے لئے اسی جگہ کی رؤیت معتبر ہوگی۔ (ترمذی شریف ۱/۱۴۸)

ترمذی شریف کی دوسری حدیث میں ہے:

اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: اَلصَّوْمُ یَوْمٌ تَصُوْمُوْنَ یعنی رمضان، عید الفطر اور عید الاضحیٰ جماعت اور

وَالْفِطْرُ يَوْمَ تُفْطِرُوْنَ وَالْأَضْحٰى يَوْمَ تُضَحُّوْنَ. (ترمذی شریف ۱/ ۱۵۰) سوادِ اعظم کے ساتھ ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں اس صورت کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ اگر کوئی شخص جدہ سے تیس رمضان کو سحری کھا کر ہندوستان آیا، یہاں انتیسواں روزہ تھا اور شام کو چاند نظر نہیں آیا، اس لئے اگلے دن لوگوں نے تیسواں روزہ رکھا، لیکن جدہ سے آنے والے کا اکتیسواں روزہ ہوجائیگا، پھر بھی اسے اس دن عید منانے کی اجازت نہیں، بلکہ عید اگلے دن مقامی سب مسلمانوں کے ساتھ منائے گا، یہ حکم مذکورہ حدیث سے ہی نکلا ہے۔

(۴) عام طور پر رؤیتِ ہلال کے معاملہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شہادت کا معاملہ قرار دیا ہے، البتہ رمضان کے چاند میں خبر کو کافی سمجھا ہے بشرطیکہ خبر دینے والا ثقہ مسلمان ہو، ترمذی، ابوداؤد، نسائی وغیرہ میں ایک اعرابی اور ابوداؤد کی روایت میں حضرت ابن عمرؓ کے واقعہ سے ثابت ہے کہ صرف ایک ثقہ مسلمان کی خبر پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شروع کرنے اور روزہ رکھنے کا اعلان فرمادیا، نصابِ شہادت کو ضروری نہیں سمجھا رمضان کے علاوہ دوسرے ہر چاند کی شہادت کے لئے نصابِ شہادت اور اس کی تمام شرائط کو ضروری قرار دیا اور سب فقہاء امت کا اس پر اتفاق ہے، اور سنن دارقطنی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال عید کے لئے دو آدمیوں سے کم کی شہادت کافی نہیں قرار دی۔

پھر شہادت کی ایک قسم تو یہ ہے کہ آدمی بچشم خود چاند دیکھنے کی گواہی دے، دوسری قسم یہ ہے کہ کسی شہادت پر شہادت دے، یہ شہادۃ علی الشہادۃ کہلاتی ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ گواہ اس بات کی گواہی دیں کہ ہمارے سامنے فلاں شہر کے قاضی کے سامنے شہادت پیش ہوئی، قاضی نے اس کا اعتبار کرکے شہر میں رمضان یا عید کا اعلان کردیا؛ یہ شہادت علی القضاء کہلاتی ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ جب کسی شہر میں عام طور پر چاند نظر نہ آئے تو چاند کے ثبوت کیلئے مذکورہ تین صورتیں شرعاً معتبر ہیں اور دوسرے شہر میں رؤیت ہلال کے ثبوت کے لئے کافی ہیں، (کبھی استفاضے کے ذریعے بھی رؤیت کا ثبوت ہوجاتا ہے، جس کی شرائط کتب فقہ میں مذکور ہیں؛ لیکن استفاضے کے ذریعے چاند کے ثبوت میں بھی یہ بات ضروری ہے کہ مہینے کا ۲۸ یا ۳۱ کا ہونا لازم نہ آئے) البتہ دور دراز ممالک سے اگر مذکورہ بالا طریقوں پر شہادت پہنچتی ہے، تو بعض فقہاء جن کے نزدیک اختلاف مطالع کا اعتبار ہوتا ہے، وہ اس شہادت کو قابل عمل قرار نہیں دیتے اور جن کے نزدیک اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، اُن کے نزدیک

اس شہادت کے معتبر ہونے کے لئے مذکورہ نصوص کی روشنی میں ایک شرط یہ بھی ضروری ہوگی کہ اس شہادت کے قبول کر لینے سے مہینہ اٹھائیس یا اکتیس کا ہونا لازم نہ آئے، اگر ایسا ہوگا تو وہ شہادت معتبر نہ ہوگی۔

چاند سے متعلق مذکورہ بالا شرعی ضابطوں کی روشنی میں یہ بات بغیر کسی شک وتردد کے کہی جاسکتی ہے کہ امسال یعنی ۱۴۳۵ھ میں ذوقعدہ کا مہینہ ۳۰/دن کا تھا: کیونکہ ۲۹/ذوقعدہ کو ملک کے کسی بھی علاقے سے رویت کی خبر موصول نہیں ہوئی اور تادمِ تحریر بھی کوئی خبر نہیں مل سکی ہے، لہٰذا ۲۹/ذوقعدہ کو اگر کسی ذریعہ سے چاند کا افق پر موجود ہونا ثابت بھی ہوجائے، تب بھی پہلے ضابطے کی وجہ سے اس کو شرعاً غیر معتبر قرار دیا جائے گا، نیز ''سعودی عرب'' کی تاریخ ''ہندوستان'' میں رہنے والوں کے لئے شرعاً حجت نہ ہوگی؛ اس لئے کہ ہر علاقے کے لئے اسی جگہ کی رویت شرعاً معتبر ہوتی ہے، جیسا کہ ضابطہ نمبر ۲ میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے، اور امسال تو ''سعودی عرب'' کی تاریخ اور ''ہندوستان'' کی تاریخ میں دو دن کا فرق ہوگیا، ایسی صورت میں ''سعودی عرب'' کی رؤیت ''ہندوستان'' کے لیے اور بھی زیادہ غیر معتبر ہوگی ورنہ تو ''ہندوستان'' میں ذوقعدہ کے مہینے کا ۲۸/دن کا ہونا لازم آئے گا، جو نص قطعی کی رو سے ممنوع ہے۔

اسی طرح اِس موقع پر احتیاط کی بات کہنا (مثلاً: بقرعید کے دو ہی دن قربانی کی جائے، تیسرے دن قربانی نہ کی جائے۔ وغیرہ) شرعی اعتبار سے درست نہیں ہے، جب مسئلہ بالکل صاف اور واضح ہو، اس میں کسی طرح کا کوئی شک نہ ہو تو ایسے موقع پر مسئلے کی ناواقفیت کی بناء پر احتیاط کی بات کرنا بلا وجہ ایک منصوص حکم کے حوالے سے لوگوں کو شک وشبہے میں ڈالنا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ امسال ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰۱۴ء میں ذوقعدہ کا مہینہ ۳۰/دن کا تھا، جس کے مطابق ۱۰/ذوالحجہ یعنی ۶/اکتوبر بروز دوشنبہ بقرعید تھی، لہٰذا جن لوگوں نے امسال ''سعودی عرب'' کی تاریخ کا اعتبار کرتے ہوئے ''ہندوستان'' میں دو روز قبل یعنی ۸/ذوالحجہ کو قربانی کی ہے، اُن کی قربانی درست نہیں ہوئی، ان کا عمل احادیثِ نبویہ کے صریح خلاف تھا، اُن کو غور کرنا چاہیے کہ کیا وہ نمازیں بھی سعودی وقت کے مطابق اداء کرتے ہیں؟ شبِ قدر، عاشورہ کی تعین بھی سعودی تاریخ سے کرتے ہیں؟ اگر وہ تمام شرعی اعمال میں سعودی تاریخ کا اعتبار کرتے ہیں، تو اُن کا عمل شرعاً صحیح نہیں ہے اور اگر عید و بقرعید ہی میں ایسا کرتے ہیں، تو فرق کی وجہ کیا ہے؟